نگاہ اولین:

صرف شمالی علاقہ جات میں الگ تعلیمی نصاب کا مطالبہ کیوں؟! مدیر التحریر

تعلیم ہی وہ زیور ہے جو انسان کو عقل وشعور سے نوازتا ہے۔ تہذیب وتمدن، مروت ورواداری، قربانی وایثار، انسانیت واخلاقیات اور اتحاد واتفاق کا درس دیتا ہے۔ ان پڑھ لوگ اِن اوصاف سے تہی دامن رہتے ہیں، یہاں تک ''کہ بے علم نتواں خدارا شناخت''۔ اور کچھ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو بظاہر خواندہ اور سیانے ہوتے ہیں، مگر ''علم'' کی ماہیت اصلی اور مقصود حقیقی کی سمجھ بوجھ اور تفکر وتدبر سے عاری ہونے کے باعث ''العلم بلا عمل کا لشجر بلا ثمر'' کا منظر پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ عموماً بے یقینی اور جذباتیت کا شکار رہتے ہیں۔

آج کی دنیا حصول علم کی راہ میں جس انداز میں پیش قدمی کر رہی ہے وہ تو سب پر واضح ہے۔ دین ودنیا کی کامرانی ایک مربوط اور منظم نصاب تعلیم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ خاصکر مسلم ممالک کے لئے تو یہ ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ امت اسلامیہ آج جس زبوں حالی کی شکار ہے، وہ اسی تعلیمی پسماندگی کا شاخسانہ ہے۔ ہمیں عملی تربیت کا ایسا انتظام چاہیے جو ہمارے نونہالوں کی ذہن سازی انہیں معمار قوم بنانے کے معیار پر کر سکے۔ یعنی یہ تربیت اسلامی اقدار کا مظہر ہو، دین ودنیا دونوں کے حصول کا ذریعہ ہو اور زمانے کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کا تقاضا پورا کرتی ہو۔ اور یہ نصب العین ہم گلی کوچوں میں دست و گریباں رہ کر حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ بلند مقصد تو اسلامی اقدار کا پاس کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو پس پشت ڈال کر اور ستاروں پر کمند ڈالنے کی ہمت وجرأت سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر شومئی قسمت کہیے یا ہمارے دینی وسیاسی مقتدر حضرات کی بے حسی، کہ آج ملکِ عزیز جس وسیع پیمانے پر اضطراب کا شکار ہے۔ اور فرقہ واریت یا علاقائیت کی بنیاد پر جو ہنگامے برپا ہیں، یہ ڈھکی چھپی بات نہیں اور ملک کا کوئی بھی علاقہ اس مرض قولنج کے انتشار سے محفوظ نہیں۔ ﴿ فاعتبروا یا ولی الابصار! ﴾

کچھ عرصہ سے ملک کے دور افتادہ وپسماندہ، مگر سیاسی ودفاعی نقطہ نظر سے انتہائی حساس شمالی علاقہ جات پر گویا نظر بد لگی ہوئی ہے۔ اور جناب آغا ضیاء الدین صاحب امام جمعہ وجماعت مرکزی جامع مسجد شیعہ اثنا عشریہ گلگت کی سرکردگی میں سکولوں کے لئے علیحدہ تعلیمی نصاب کے مطالبے کا ''فریضہ'' ادا کرنے کے لئے توڑ پھوڑ اور گھیراؤ جلاؤ کا ''جمہوری'' طریقہ شروع ہو چکا ہے۔

پچھلے سال ماہِ آزادی میں شورش زدہ گلگت اور اس کے مضافات سے یہ طریقہ کار بلتستان بھی درآمد کیا گیا۔ جو عام طور

پرامن وآشتی اور یکجہتی کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔سکولوں اور درس گاہوں سے زیر درس نونہالوں کو درآمد شدہ بادِمخالف کے جھونکوں سے مچلنے والے عناصر کے ایما پر باہر نکلوا کر سرکاری وغیر سرکاری املاک اور تنصیبات کی توڑ پھوڑ کروائی، یوں کروڑوں روپے کے مالی نقصانات کے علاوہ پورے علاقے میں تعلیمی سرگرمیاں بری طرح متاثر رہیں۔اور ترقی معکوس کا عملی مظاہرہ کیا گیا۔ جسے اس علاقے کے سنجیدہ مذہبی وسیاسی حلقوں نے ناپسند کیا۔علاوہ ازیں جو غیر یقینی کیفیت اور اضطراب کا ماحول علاقے پر چھایا ہوا ہے، وہ بجائے خود ایک الگ داستان ہے۔

جمہوری اقدار کے مطابق ہر مذہبی، سیاسی یا پیشہ ورانہ پارٹی کو یہ بنیادی حق حاصل ہے کہ کسی دوسرے مسلک یا پارٹی کی ایذا رسانی کے بغیر اپنا مطالبہ یا نقطۂ نظر پیش کرے۔اور بہتر نصاب کا مطالبہ تو تعلیم وآگہی کے حوالے سے ارفع مقام رکھتا ہے۔ اگر کسی جماعت کو ان میں کوئی ملاحظات ہوں تو اس کے مقام کے مطابق مطالبے کا طریق کار بھی شائستہ، عالمانہ اور ارفع خیالات کا مظہر ہونا چاہیے، مزدور یونینز کی طرز پر نہیں جو اپنے مطالبات منوانے کے لئے غیر فطری طریقے اختیار کرتے ہیں اور اس راہ میں حکومت اور عوام یعنی پوری قوم کے جانی، مالی، علمی اور نفسیاتی نقصانات کی پروا نہیں کرتے۔

درحقیقت یہ اور دیگر مذہبی نوعیت کے مطالبات وحدتِ ملتِ اسلامیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے وفاقی سطح کے علماء ودانشور حضرات کی مجالس میں پیش ہونی چاہئیں، جہاں ہر مذہب کی ذمہ دار شخصیات اور علم ودانش کے شہسوار موجود ہیں۔اگر اسے سیاسی رنگ دینا ہی ضروری ہے تو مشترکہ سیاسی ومذہبی پلیٹ فارم ''متحدہ مجلس عمل'' کی طرف رجوع کیا جائے، جو ملتِ اسلامیہ پاکستان کی وحدت اور اسلامی تشخص کو سامنے رکھ کر ضرور کوئی نہ کوئی حل پیش کرے گی۔مگر کیا کیا جائے ہمارے اس دور افتادہ علاقے کی افتادگی کا جہاں ہر سطح پر خواہ مذہبی ہو یا سیاسی' کچھ ایسے افاضل حضرات موجود ہیں جو کرگزرنے کے بعد ہی سوچنے لگتے ہیں۔اس قسم کے ناگہانی اقدامات ہمارے اس علاقے کو جو پہلے ہی ترقی کے ہر معاملے میں پیچھے ہے، مزید 50 سال پیچھے دھکیل دینے کا سبب بنیں گے۔خاصکر بعض حضرات مذہبی نوعیت کے اشتہارات وبیانات کے ذریعے دوسرے مذاہب کی دل آزاری کے مرتکب ہو رہے ہیں۔سینکڑوں سال سے موجود بعض جزوی اختلافات کو نئے سرے سے ترتیب دے کر نت نئے عنوانات کے ساتھ اچھالنے اور فرقہ وارانہ تعصب بڑھکانے کا کوئی تک نہیں بنتا۔

ہمارا مطلب یہ نہیں کہ علاقے کے سارے لوگ اسی طرح کے ہیں، بلکہ اکثریت سلجھے ہوئے اور ایک دوسرے کا دکھ درد سمجھنے والے، اختلاف وانتشار سے بیزار قسم کے لوگوں پر مشتمل ہے۔خصوصاً سرزمین بلتستان جس کے آغوش میں متعدد اسلامی مذاہب کے ماننے والے امن وآشتی سے پرسکون زندگی گزارنے کے عادی ہیں اور فطرتی طور پر اس قوم کی سادگی اور

تہذیب وتمدن بھی مسلّم ہے۔ یہاں کی اکثریت اثنا عشریہ فرقے سے تعلق رکھتی ہے اور عام طور پر دیگر مسالک کے ساتھ ان کا سلوک روادارانہ رہا ہے۔ جو اکثریتی فرقہ ہونے کی وجہ سے ان کا اخلاقی فرض بھی ہے۔ مگر بعض اوقات خاص مقاصد کے تحت انہیں خارجی اثرات سے متأثر ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے، جس سے ان کے بھی جذبات کی رو میں بہ جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ اس لئے اکثریتی فرقہ کے اصحابِ حل وعقد کو چاہیے کہ روایتی احساس ذمہ داری کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ نیز دوسرے مسلک کے لوگوں کو بھی اس طرح اشتعال میں نہیں آنا چاہیے جس سے فضا مکدر ہو جائے۔

یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ کسی زمانے میں اہل تشیع نے زکاۃ کی کٹوتی سے استثناء کے علاوہ شیعہ وسنی الگ نصاب بھی پورے ملک میں رائج کروایا تھا۔ اور سبھی تعلیمی اداروں میں شیعہ طلبہ الگ الگ کونوں، کھدروں میں بساطِ علم سجا کر الگ تشخص کا مظاہرہ کرتے تھے، جس پر غیر مسلم طلباء اسلام کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔ بہر حال سبھی مذاہب کے اکابرین نے اس طریقِ کار کو وحدتِ اسلامیانِ پاکستان اور مستقبل کے معماروں کے اذہان وقلوب کی شیرازہ بندی کے لئے مضر قرار دے کر تمام مسلمانوں کے لئے ایک ہی نصاب رائج کرنے کا مطالبہ کیا، جو آج تک رائج ہے۔

اب اگر قومی سطح کے علماء ودانشور علیحدہ نصاب تعلیم رائج کرنے کو ہی مسلمانانِ پاکستان کے حق میں اچھا سمجھتے ہیں تو یہ اقدام قومی سطح پر ہونا چاہیے نہ کہ صرف بعض مخصوص علاقوں میں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کرائی جائے۔ یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ کیا شمالی علاقہ جات میں موجود شیعہ امامیہ کا عقیدہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں بسنے والے اہل تشیع کے عقیدے سے مختلف ہے؟ کہ یہاں علیحدہ نصاب تعلیم رائج کرنے کی ضرورت پڑے، جبکہ وہاں اس طریقِ کار کو درست نہ سمجھا جائے؟!

ویسے بھی دشمنانِ اسلام کے دباؤ پر ملک عزیز کے لادین عناصر اسلامیات، تاریخ اور دیگر اہم مضامین کے حصے بخرے کرنے، کتابوں سے دینی نوعیت کی باتیں حذف کرنے، بلکہ قرآن مجید کی آیتوں میں بھی ردوبدل کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور انہی ملحدانہ نظریات کی سرپرستی کے لئے عالمی سطح پر امتِ اسلامیہ سے متعلق جو گھمبیر مسائل اٹھائے جا رہے ہیں اور بیرونی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے **محکمہ تعلیم** کو آغا خان یونیورسٹی کی تحویل میں دے کر پاکستان کے اسلامی تشخص کو ملیامیٹ کرنے کا ارادہ ظاہر کر رہے ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایسے ناگفتہ بہ صورت حال میں باہم دست وگریبان ہونا چہ معنی دارد !؟!

جو افراد حساس نوعیت کے ان علاقوں میں آئے دن مسائل کھڑے رکھنے میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں، وہ نہ صرف اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار رہے ہیں، بلکہ ان کے یہ اقدامات پوری قوم کے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہیں۔

جناب آغا ضیاء الدین صاحب کی طرف سے اخبارات میں پھر سے مطالبات کی منظوری کے لیے ڈیڈ لائن دیا جا رہا

ہے اور ماضی کے تلخ تجربے کی روشنی میں جو خدشہ جنم لے رہا ہے، وہ نہ صرف قومی وملکی مفادات کے لئے ضرر رساں ہے، بلکہ خود اہل تشیع کے اپنے اجتماعی مفادات کے بھی منافی ہے۔ اور ان سطور کے طبع ہونے تک اس غریب علاقے کے عوام کے لئے کیا کیا مشکلات کھڑی ہوں گی؟! باری تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس علاقے کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں ''آمین'' باد

المملكة العربية السعودية

دشمنوں کی نظر میں

شاندار ماضی اور درخشاں مستقبل کی حامل اسلامی وفلاحی مملکت ''المملكة العربية السعودية'' اپنے یوم استقلال سے تا حال اس گئے گزرے دور میں بھی پاک وصاف عقیدے اور اسلامی تشخص کا علمبردار ہے۔ نیز حرمین شریفین کی بیش بہا خدمات کے اعتبار سے ممتاز مقام رکھتی ہے۔ فرزندان توحید کے اس روحانی مرکز کو اللہ تعالیٰ نے دولت دنیا سے بھی حظِ وافر عطا فرمایا ہے۔ یہ ملک اپنی دینی ودنیوی دولت کو دنیا جہاں میں ہر اس جگہ نچھاور کرنے میں مگن رہتا ہے، جہاں بے بس وبے آسرا انسان پائے جاتے ہیں۔ جہاں **قرآن وحدیث** کے علم اور **توحید وسنت** کی تبلیغ کو حتی الوسع پھیلانے میں کوشاں رہتا ہے، وہاں آفت زدہ انسانیت کی اشک شوئی کے لیے بھی دست تعاون دراز کرنے سے نہیں ہچکچاتا، خواہ ان کا تعلق قدرتی آفات سے ہو یا ''بین الاقوامی امن وخوشحالی'' کے دعویداروں کی **دہشت گردی** سے۔

ایسا کیوں نہ ہو جبکہ یہی **''اسلام''** کا لغوی واصطلاحی مفہوم بھی ہے اور اس دین کی بنیادی تعلیمات بھی۔ جن کی روشنی میں خلیفہ ثانی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی احساس ذمہ داری کا اظہار ان تاریخی الفاظ میں کیا تھا: ''**اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی میمنا بھی مرجائے تو میں اللہ تعالیٰ سے باز پرس کا خدشہ محسوس کرتا ہوں۔**''

مغربیت کے عاشق مادہ پرست سرمایہ دار ممالک دنیا جہاں سے اپنے مکر وفریب کے ذریعے خوب دولت لوٹتے پھر اسی **دولت واسلحے** اور **ویٹو پاور** کے بل بوتے پر سانپ بن کر سیم وزر کے ڈھیروں پر بیٹھ جاتے ہیں، مگر اپنے تیز ترین میڈیا کے ذریعے **جمہوریت کے علمبردار، غریبوں کے غمخوار** اور **حقوق انسانی کے پاسبان** ہونے کے دعویدار ہیں۔ غربت وافلاس کے مارے ہوئے افریقی وایشیائی ممالک میں ''**رفاہی خدمات**'' کے خوب صورت الفاظ سے سجا کر متعصب وسنگدل مشنریوں کو پھیلا رہے ہیں، گویا قاتل خود منصف کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یوں عیسائیت اور عریانیت کے رسیا مادر پدر آزاد معاشرے قائم